فتح مکہ

پروفیسر سید احتشام حسین صاحب (مرحوم)

حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام سے پہلے مکہ کی تاریخ جو بھی رہی ہو، اس کے اصل عروج کا سلسلہ انھیں بزرگوں کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ خدا کے گھر کی تعمیر نے اسے جو شرف بخشا وہ تہذیب انسانی میں ایک زبردست موڑ کا پتہ دیتا ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد ایسے ہاتھوں سے پڑی جس نے نہ صرف بت شکنی کی تھی بلکہ ستارہ پرستی کے تصور کو ٹھکرا کر وحدانیت کا راستہ دکھایا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے ستارہ پرستی کے دورِ عروج میں شمس و قمر کی ربوبیت کا انکار کر کے قدیم افکار انسانی پر کاری ضرب لگائی اور مصر و عراق کے بہت سے علاقوں کی سیر کرنے کے بعد مکہ کی سرزمین کو دین حنیف کا مرکز بنانے کی آرزو کی۔ تاریخ کی بہت سی عجوبہ کاریوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس مقدس عمارت کو اصنام پرستی کے خلاف ایک علامت بنا کر پیش کیا گیا تھا چند ہی صدیوں کے اندر وہ جاہلیت کے اندھیرے میں غرق ہوگئی اور بتوں کی ایسی آماجگاہ بن گئی جس نے وحدانیت کے ہر تصور کو خطرے میں ڈال دیا۔ اس دوران میں اگر اخلاقی اور روحانی حیثیت سے مکہ کا زوال ہوا تو مادی نقطۂ نظر سے اسے مخصوص عروج حاصل ہوا۔ عرب کا مرکزی مقام بن جانے کی وجہ سے اس کی تمدنی زندگی میں چہل پہل بڑھتی رہی، مخصوص تیوہاروں کے مواقع پر سارے عربی قبائل اکٹھا ہوتے، تجارت کی گرم بازاری ہوتی رہی معاہدوں اور مناقشوں کی تجدید ہوتی، ادبی اور شاعرانہ سرگرمیاں بڑھتیں اور شام و فلسطین، عراق و یمن سے تجارتی اور تمدنی رابطے استوار کیے جاتے، اس طرح مکہ کو ام القریٰ کی حیثیت ملتی جارہی تھی۔ یقیناً ایسے ہی مراکز تاریخ میں کوئی فیصلہ کن کردار بنتے ہیں اور اہم مقام حاصل کرتے ہیں۔

ابراہیمی خانوادے کی سرگرمیاں اس علاقہ میں جاری رہیں۔ یہاں تک کہ بنی قریش کی ایک شاخ نے اپنی ذاتی خصوصیات، تجارتی سوجھ بوجھ، مہمان نوازی، شجاعت اور سخاوت کی وجہ سے مکہ کی سرداری حاصل کر لی اور مکہ تاجروں اور سیاحوں کے لئے ایک محفوظ اور نفع بخش مرکز بن گیا۔ اس

کی عظمت اور اہمیت کا دوسرا دور اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب قیادت ہاشم کے ہاتھ میں آئی۔ خانۂ کعبہ پھر دارالامان بن گیا۔ گو بت پرستی کا استیصال نہ ہوسکا لیکن دین حنیف کے ماننے والے ابراہیم کی بشارت کا انتظار کرنے لگے۔

چھٹی صدی عیسوی نے ابھی اپنی سات دہائیاں پار کی تھیں کہ مکہ میں ایک نئی روشنی نمودار ہوئی صحرائے عرب کی قسمت جاگی اور مکہ کے سب سے مقتدر گھرانے میں عبدالمطلب کے مرحوم بیٹے عبداللہ کے یہاں رسولؐ اللہ نے آنکھ کھولی۔ ابراہیم اور اسماعیل کے بعد سے کعبہ اپنے حقیقی وارث کے انتظار میں تھا لیکن ابھی جدوجہد اور آزمائشوں کی بڑی سنگین گھڑیاں درمیان میں حائل تھیں اور کعبہ کو اپنی اولین منزلت حاصل کرنے میں ابھی تقریباً ساٹھ سال کا سفر طے کرنا تھا۔ مکہ میں پیدا ہونے والے کو گھر سے بے گھر ہونا تھا، خانہ کعبہ میں اپنے مذہبی فرائض انجام دینے کے لئے موحدین کو انتظار کرنا تھا اور اسے ہمیشہ کے لئے مرکز توحید و امن بنانے کے لئے ریاضتوں کے ایک طویل سلسلہ سے گزرنا تھا۔ اسی میں رسول اسلام محمدؐ عربی کی حیات قدسی کا بڑا حصہ صرف ہوا اور اس کے لئے انھیں بہت سے معرکے جھیلنے پڑے۔

یقیناً بدر ہو یا احد، خندق ہو یا خیبر، صلح حدیبیہ ہو یا بیعت رضوان، فتح مکہ ہو یا غزوۂ موتہ، سب کا بنیادی مقصد حقیقت اسلام کو عام کرنا تھا۔ رسول کی حیات طیبہ کے کسی چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے اقدام کو اسی روشنی میں دیکھنا چاہئے اور ہر واقعہ کو ایک دوسرے سے مربوط سمجھنا چاہئے۔ اس وقت صحیح طور پر اندازہ ہوگا کہ تاریخی اسباب وعلل کی کڑیاں نتائج سے کس طرح جڑی ہوئی ہیں اور رسولؐ کا ہر قدم کس طرح ایک ہی منزل کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ فتح مکہ پر بھی انہیں حقائق کی روشنی میں نظر ڈالنا چاہئے۔ یہ سلسلۂ اقدامات اور واقعات کی ایک ایسی مضبوط کڑی ہے جس سے ۸ ہجری سے پہلے کی تاریخ اسلام، بعد کے واقعات سے ہم رشتہ ہوگئی ہے۔

تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں لیکن فتح مکہ پر غور کرتے ہوئے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس سے پہلے اسلام تاریخ ارتقاء کی کس منزل میں تھا تاکہ اس فتح کا پس منظر واضح ہوجائے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہجرت کے بعد ہی سے قریش کے مظالم اور اسلام سے مخالفت کی نوعیت بالکل بدل گئی تھی۔ جب تک رسولؐ مکہ میں تھے اس وقت تک ان کے مخالفین کو یہ امید تھی کہ آخر کار اسلام کی ابتدائی قوت کا استحصال کرلیں گے۔ جاہلی اور قبائلی جذبات کو بھڑکا کر محمدؐ عربی کے دعوائے پیغمبری کو گمراہ کن

دلائل کا نشانہ بنالیں گے لیکن جب اسلام کو مدینہ میں پناہ مل گئی تو قریش کو اندازہ ہوا کہ اسلام کے لئے زمین ہموار ہورہی ہے۔ اس کی طاقت میں اضافہ ہورہا ہے۔ رسولؐ اسلام کی آواز کی گونج بڑھ رہی ہے اور اثر ونفوذ کا دائرہ وسیع ہورہا ہے۔ اس لئے مخالفت کا دائرہ بھی وسیع ہوگیا۔ مہاجرین مکہ نے بے گھر ہوکر ہمت نہیں ہاری اور تھوڑے ہی دنوں کے اندر محنت اور مشقت، تجارت اور مزدوری کی مدد سے اپنی حالت سنبھال لی۔ انصار نے جس کشادہ دلی سے انھیں اپنے یہاں جگہ دی تھی اس نے پہلے ہی دلاسائی کی صورت پیدا کردی تھی۔ اب مادی حالات کے بہتر ہوجانے کی وجہ سے انھیں اطمینان کی زندگی بسر کرنے کے مواقع بھی نظر آنے لگے۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان آمدورفت کی وجہ سے قریش کو ہر چھوٹی سے چھوٹی بات کی خبر ملتی رہتی تھی اور مسلمانوں کا وجود ان کی نگاہوں میں کھٹکتا تھا۔ چنانچہ تصادم کی کھلی ہوئی صورتوں کا امکان زیادہ ہوگیا۔ رسول مقبولؐ اس سے غافل نہیں تھے۔ وہ جانتے تھے کہ مکہ کے قریش قبائل کسی نہ کسی وقت ان کے سکون میں خلل انداز ہوں گے۔ انھیں یہ خبریں بھی برابر ملتی رہتی تھیں کہ وہ لوگ مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کررہے ہیں جو مکہ اور نواح مکہ میں رہ گئے ہیں بلکہ جن کے عزیز و اقارب مدینہ میں ہیں انھیں بھی تکلیفیں پہنچاتے رہتے ہیں۔ ان تمام باتوں کے باوجود رسول مقبول نے قریش کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا۔ یہاں تک کہ غزوۂ بدر کی صورت پیش آگئی یہ جنگ اگرچہ مسلمانوں کے لئے بڑی آزمائش کی جنگ تھی لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قریش کے بہت سے سردار مارے گئے اوران کی قوت گھٹ گئی۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ ابوسفیان اور اس کے حلیفوں کو اپنی طاقت بڑھانے کا موقعہ مل گیا۔ قبل اس کے کہ مسلمان سنبھلیں، قریش نے پھر معرکہ آرائی شروع کردی اور مقتولین بدر کا انتقام لینے کے لئے مدینہ کا رخ کیا۔ اور احد کی جنگ پیش آئی۔ اس کا بھی نتیجہ اسلام کی فتح اور زیادہ قوت کی شکل میں ظاہر ہوا۔ دوسرے الفاظ میں مدینہ کو نقصان پہنچائے بغیر قریش مکہ کی طاقت گھٹتی جارہی تھی اور وہ منزلیں قریب آتی جارہی تھیں جب مسلمانوں کا داخلہ مکہ میں فاتحانہ ہونے والا تھا۔

ایک لحاظ سے مکہ میں مخالفین اسلام شکستوں کے باوجود فائدہ میں رہتے تھے۔ حج کے زمانے میں اور بعض دوسرے اجتماعات میں قبائل عرب مکہ میں اکٹھا ہوتے تھے اور کفار قریش کو موقع ملتا تھا کہ وہ اسلام کے خلاف انھیں بھڑکائیں۔

اسلام کے محدود اثرات نے بھی عربوں کی جہالت کا خاتمہ نہیں کیا تھا اس لئے وہ بڑی آسانی

سے ابھارے جاسکتے تھے۔ چنانچہ احد کے بعد دو ڈھائی سال کے درمیان متعدد چھوٹے چھوٹے سرایا اور غزوات میں اسلام کو الجھایا گیا۔ ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جن میں قریش اور یہود نے سازشی سمجھوتے کر لئے تھے تا کہ اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر سے نجات حاصل کر سکیں۔ اس کے سبب سے بھیانک شکل غزوۂ احزاب میں نمودار ہوئی جو ہجرت کے پانچویں سال پیش آئی۔ اس خوفناک لڑائی میں رسول اسلام نے غیر معمولی سیاسی اور عسکری سوجھ بوجھ سے کام لے کر فتح حاصل کی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد مکہ کے قریش نے اپنے اوپر اعتماد کھو دیا اور بہ ظاہر خاموش ہو گئے۔ رسولؐ مقبول نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ایک نفسیاتی جنگ چھیڑ دی۔ مسلمانوں کے ایک خاصے بڑے گروہ کو ساتھ لے کر آپ نے مکہ کا رخ کیا اور عمرہ کا احرام باندھا اپنے ساتھ نہ فوجی ساز و سامان کیا نہ جنگ و جہاد کی فضا پیدا ہونے دی۔ اس کا مقصد جہاں ایک طرف مذہبی فریضہ کی ادائیگی تھی وہاں دوسری طرف مکہ میں مخالفت کے طلسم کو توڑنا اور دشمن کی قوت کا اندازہ لگانا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قریش جنگ کے لئے کوئی بہانہ نہ پیدا کر سکے اور صلح پر مجبور ہوئے۔ یہاں اس صلح کے مختلف پہلوؤں یا اس کے تعمیری انداز کا ذکر کرنا نہیں ہے صرف اتنا کہنا کافی ہوگا کہ اگر دنیا کی تاریخ میں کسی صلح کو (جسے کچھ لوگ دب کر صلح کرنا سمجھتے ہیں) فتح مبین کہا گیا ہے تو وہ یہی صلح ہے جس میں بہ ظاہر مسلمان مکہ میں داخل ہونے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ صلح حدیبیہ کے متعلق کسی کو کتنا ہی شک کیوں نہ ہو اس نے مستقبل کی کامیابی کے دروازے کھول دیے اور ایک ایسی قابل اطمینان فضا پیدا کر دی کہ رسول مقبول کو اگلے دو برسوں میں اسلام کا پیغام دور دراز ملکوں میں پہنچانے کا موقع مل گیا اس صلح نے جنگ کے بغیر اگلے سال حج کی امید پیدا کر دی اور بہت سے مہاجرین کے دل اس مسرت سے بھر دیئے کہ وہ آٹھ سال بعد اپنے وطن کی گلیوں میں پھر سکیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس صلح نے قریش کے ہاتھ کمزور کر دیے۔

ے ہجری میں خیبر کی مہم پیش آئی۔ اس کا تفصیلی ذکر کتب تواریخ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یہاں صرف اتنا اشارہ کرنا مقصود ہے کہ فتح خیبر سے یہودیوں کی طاقت ختم ہوگئی اور اسلام اتنا مضبوط ہو گیا کہ اس کی شکست اور ناکامی کا خواب دیکھنے والے خوفزدہ ہو گئے اور یہ ایک نفسیاتی نکتہ ہے کہ خوفزدہ لوگ گھبراہٹ میں جلد جارحانہ کارروائیوں پر اتر آتے ہیں چنانچہ پسپا ہوتے ہوئے قریش کے ساتھ یہی صورت پیش آئی۔

صلح حدیبیہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ دس سال تک جنگ نہیں ہوگی۔ اور یہ بھی طے ہوگیا تھا کہ سارے قبائل آزاد ہوں گے۔ جن کا جی چاہے قریش کے ساتھ ہو جائیں اور جن کا جی چاہے اسلام کے ساتھ ہو جائیں۔

چنانچہ بنو بکر نے قریش سے معاہدہ کرلیا اور بنی خزاعہ نے مسلمانوں سے۔ یہ دونوں قبیلے پہلے سے ایک دوسرے کے مخالف چلے آرہے تھے۔ اور ان کے درمیان چھیڑ چھاڑ جاری تھی کہ بنو بکر نے سرداران قریش کی مدد سے بنی خزاعہ پر حملہ کردیا۔ یہاں تک کہ بنی خزاعہ کو حرم کے اندر بھی پناہ نہیں ملی اور ان کے متعدد افراد قتل کردیئے گئے۔ بنی خزاعہ نے اس حادثہ کی اطلاع رسولؐ اللہ کو دی اور مدد کے لئے استغاثہ کیا۔ رسولؐ نے چند شرائط پر معاملات کو ختم کرانا چاہا۔ لیکن قریش نے اپنے زعم میں ان شرائط کو تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ حالانکہ ابوسفیان کو اب اسلام کی قوت کا اندازہ ہو چکا تھا اور اس نے اپنی جانب سے مدینہ میں یہ اعلان کردیا کہ ہم صلح حدیبیہ کی تجدید چاہتے ہیں۔ چونکہ ان میں سردارانِ قریش شامل نہیں تھے اس لئے مسلمانوں نے اس اعلان تجدید کو اہمیت نہیں دی اور بنی خزاعہ کی اعانت کے خیال سے جنگی تیاریاں شروع کردیں۔ اس دفعہ محمدؐ عربی نے اسلام کے عسکری نظام میں تیاریوں کو دشمن سے خفیہ رکھنے کی اہمیت پر زور دے کر یہ واضح کیا کہ فوجی تیاریوں سے لاعلمی دشمن میں نفسیاتی انتشار پیدا کرتی رہتی ہے۔

قریش مکہ اتنا خوفزدہ ہو چکے تھے کہ ممکن ہے بغیر کسی مدافعت کے ہمیں مکہ میں داخل ہونے کا موقع دے دیں۔ آپ نے اپنے ان اتحادی قبائل کو بھی اپنے ارادہ سے مطلع کردیا۔ جو اسلام کے حلیف بن چکے تھے۔ اس درمیان ایک صحابی نے کمزوری دکھائی اور تیاریوں کی اطلاع مکہ بھیجنے کی کوشش کی جسے حضرت علیؓ نے ناکام بنادیا۔ یہ صحابی حاطب تھا جس کی خطا بعد میں معاف کردی گئی۔

جب تیاری مکمل ہوگئی تو دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ رسولؐ مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور جب مکہ صرف ایک منزل رہ گیا تو قیام کا حکم دیا۔ اب قریش چونکے۔ ابوسفیان نے پوری خبر لانے کا ذمہ خود لیا۔ اپنی آنکھوں سے اس نے افواج اسلام اور اللہ کے دین کا جو تزک و احتشام دیکھا اس نے اسے حیرت زدہ کردیا۔ یہ صرف ایک جلا وطن اپنے وطن میں نہیں آرہا تھا، ایک پیغام حیات، ایک نظام زندگی، ایک طوفان رحمت اس علاقہ میں داخل ہورہا تھا۔ جہاں اس کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ ابوسفیان نے گھبرا کر عباس سے پوچھا یہ کون ہے، انھوں نے جواب دیا یہ رسولؐ اپنے انصار و

مہاجرین کے ساتھ آرہے ہیں۔ علم لشکر سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا اور رسولؐ کے گرد جان نثاروں کا ہجوم تھا۔ ابوسفیان نے کہا۔ آج تو تمہارے بھتیجے کا جاہ جلال بہت بڑھ گیا ہے۔

در اصل یہ اعتراف شکست تھا کیونکہ قریش مکہ میں اس سیل نور رحمت کو روکنے کی طاقت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ رسولؐ مکہ میں فاتحانہ لیکن پُر امن طریقہ سے داخل ہوگئے۔ حکم ہوگیا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے، اپنے گھر کے دروازے بند کرلے، خانہ کعبہ میں یا ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لے اس کو امان ہے، اس دن محمدؐ مجسم رحمت اللعالمین بن کر داخل ہورہے تھے۔ اسی لئے جو ایک معمولی سی جھڑپ ہوگئی آپ کو وہ بھی پسند نہ آئی۔ اور جب ابوسفیان نے سعد ابن عبادہ کے ایک حملہ کا حوالہ دے کر یہ خیال ظاہر کیا کہ شاید سعد کی نیت امن و امان اور رحم و کرم کی نہیں ہے تو آپ نے بقول خلدون علم لشکر سعد سے لے کر علی بن ابی طالب کو دے دیا تاکہ کفار و قریش کے دل سے ہر طرح کا خوف رفع ہوجائے۔

مکہ میں پرامن داخلہ حقانیت اسلام کی بڑی فتح تھی۔ کیونکہ یہی سارے عرب میں صنم پرستی کا سب سے بڑا گڑھ تھا۔ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کے کعبہ میں مٹی اور پتھر کے تودوں کے سامنے انسانی وقار کی تذلیل ہورہی تھی، ہر طرف بت ہی بت تھے۔ طاقتوں پر، محراب میں، چھت پر، دیواروں پر تصویریں تھیں۔ رسولؐ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ان بتوں اور تصویروں کا خاتمہ کیا، حضرت علیؑ تمام جہادوں کی طرح اس جہاد میں بھی پیش پیش رہے۔ پھر آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں وحدانیت پر سب سے زیادہ زور تھا۔ اس وقت ان کے سامنے وہ جباران قریش کھڑے تھے جنھوں نے کل تک کسی نہ کسی شکل میں رسولؐ اللہ اور اسلام کی مخالفت کی تھی۔ فطری بات تھی کہ ان کے دل انجام کے خوف سے دھڑک رہے تھے۔ وہ مخالفت اور انتقام کا وہی مشرکانہ قبائلی تصور رکھتے تھے۔ اس لئے یہ سوچ ہی نہیں سکتے تھے کہ رحمت مجسم انھیں معاف کردے گا۔ چنانچہ ذہنی الجھنوں کے اس نفسیاتی عمل کے درمیان ایک بار محمدؐ عربی ان کی طرف مخاطب ہوئے اور پوچھا تم کو معلوم ہے کہ میں اس معاملہ میں کیا کرنے والا ہوں؟ غرور کا سر جھک چکا تھا۔ لیکن عربی مزاج آڑے آیا، انھوں نے جواب دیا، آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے فرزند ارجمند۔ فرمایا، تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ سب کو معاف کیا۔ اصل فتح یہ تھی جو مکہ کی شاہراہوں، گلیوں، عمارتوں اور مکانوں کی فتح سے بہت بلند اور ارفع تھی کیونکہ اس فتح نے رسولؐ اسلام کے کردار کی وہ تصویر پیش کردی جسے ابوجہل، ابولہب،

ابوسفیان اور دوسرے رہنمایان قریش نے مکہ کے عوام کے سامنے بالکل غلط رنگ میں پیش کی تھی۔

نماز کا وقت آ گیا تھا، بلال حبشی نے اذان دی۔ صفیں قائم ہوگئیں اور بڑے اطمینان سے فریضۂ عبادت ادا کیا گیا۔ پھر رسولؐ کوہِ صفا پر چلے گئے اور لوگ جوق در جوق بیعت کے لئے آنے لگے۔

یہ ہے فتح مکہ! اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو یہ نتیجہ تھا ایک عمر کی جدوجہد کا جس میں جہاد بالسیف سے زیادہ جہاد بالنفس نے کام کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ فتح مکہ میں رسولؐ ایک فوجی فاتح نہیں، نبی خدا دکھائی دیتے ہیں جس کا اصل کام اخلاق کی تلقین اور حقانیت کی اشاعت ہوتا ہے۔ فتح تو ایک ضمنی چیز اور حصولِ مقصد کا ایک ذریعہ ہے۔ اصل مقصد خانۂ کعبہ کو بتوں، کاہنوں اور پروہتوں سے پاک کرنا تھا۔ جب یہ کام ہوگیا تو رسولؐ پھر مدینہ واپس گئے تاکہ کچھ دن آرام کرکے اپنی اس آخری صبح کی تیاری کریں جس میں دین اسلام کی تکمیل کا اعلان کرنا تھا۔